ضیاء اللہ خالد آف بھکر

حجیت حدیث اور منکرین حدیث کا رد

﴿اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم...... ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنه فانتھوا﴾ (سورۃ الحشر' آیت:۷)

''جو تمہیں اللہ کے رسول دیں پس اس کو لے لو اور جس سے منع کریں' اس سے رک جاؤ۔''

موجودہ زمانے میں منجملہ دیگر صدہا فتنوں کے ایک بہت بڑا فتنہ انکار حدیث کا ہے۔ جس نے دہریت اور الحاد کے دروازے کو کھول دیا ہے اور یہ فتنہ عالمگیر ہوتا جا رہا ہے۔ اس لیے منکرین حدیث کے خلاف جس قدر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے' جو قرآن وسنت کو تاویل اور تقلید کے بغیر مانتے ہیں' اس سے آپ بے خبر نہیں ہیں۔

حدیث کا انکار دراصل قرآن کا انکار ہے۔ اس کے بغیر نہ اسلام سمجھا جا سکتا ہے اور نہ پہچانا جا سکتا ہے۔ قران مجید متن اور حدیث شرح ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

﴿علیک بالسنة فانھا شارحة للقرآن موضحة له﴾

''سنت اور حدیث کو لازم پکڑو کیونکہ یہ حدیث قرآن مجید کی شرح وتفسیر ہے۔''

امام شافعی اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

﴿کل ما حکم به رسول الله صلی الله علیه وسلم فھو مما فھمه من القرآن قال الله تعالی انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک الله﴾ (النساء' مقدمہ مسلم علامہ عبدالسلام بستوی' صفحہ:۱۰۵)

حدیث تشریعی احکام کے لیے مستقل سرچشمہ ہے۔ اس سے احکام ثابت ہوتے ہیں۔ حدیث کی بنیاد وحی پر ہے۔ جس طرح قرآن مجید مسلمانوں کے لیے مسلمہ ہے' اس طرح حدیث بھی احکام میں مسلمہ ہے۔ جس طرح قرآن کی حفاظت فرمائی' اس طرح حدیث کی بھی حفاظت فرمائی۔

اس لیے اگر حدیث کی تابعداری نہ کی جائے تو خدا کی تابعداری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایک کی تابعداری دوسرے کی تابعداری کو لازم ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں بعض جگہ اجمال ہے تو حدیث اس کے لیے مبین ومفسر ہے۔ اگر ہم حدیث کو چھوڑ کر قرآن مجید کے مطلب کو اپنی رائے کے مطابق بیان کرنا شروع کر دیں' تو ہر ایک کی رائے مختلف ہوگی۔ جس سے بہت زیادہ اختلاف پیدا ہو جائے گا اور قرآن بازیچہ اطفال بن جائے گا۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''جس طرح قرآن مجید بذریعہ وحی نازل ہوا ہے' اسی طرح سنت اور حدیث بھی بذریعہ وحی نازل ہوئی ہے۔ صرف فرق اتنا ہے قرآن مجید وحی متلو ہے اور سنت وحی غیر متلو ہے۔'' (ابن کثیر و مقدمہ مسلم)

مسند دارمی میں ہے:

﴿عن حسان رضی اللہ عنه قال کان جبرائیل ینزل علی النبی بالسنة کما ینزل علیه القرآن﴾ (صفحہ ۷۷' فتح الباری صفحہ ۹۲' ۶۷۰)

اس کی تائید میں اس مزدور کا واقعہ ہے جو اپنے آقا کی عورت سے زنا کا مرتکب ہوا تھا اور عدالت نبویہ میں اس کا مقدمہ پیش ہونے پر آپ نے فرمایا ''میں اللہ کی کتاب کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔'' پھر آپ نے فیصلہ کیا یعنی جلد و تغریب۔ (ابوداؤد صفحہ ۲۵۴' کتاب الحدود ۲)

وہ فیصلہ قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ حدیث میں ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوا۔

کتاب اللہ سے مراد آپ کی وحی غیر متلو تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو اگر معلوم ہوتا جواب دیتے' نہ معلوم ہوتا تو وحی الٰہی کا انتظار کرتے۔ جیسا کہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ دنیا میں کونسی ایسی جگہ ہے' جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

آپ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم۔ جبرائیل سے دریافت کر کے بتاؤں گا۔ جبرائیل سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا مجھے بھی معلوم نہیں۔ وہ دریافت کرنے کے لیے آسمان پر چڑھے۔ اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر آئے تو فرمایا:

﴿ان احب البقاع الی اللہ المساجد وابغض البقاع الی اللہ الاسواق﴾ (طبرانی ابن حبان)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا کہ حدیث بھی منزل من اللہ اور وحی الٰہی ہے اور بواسطہ جبرائیل آپ کے پاس آیا کرتی تھی۔

مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرائیل
جبرائیل ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

امام بخاری اس سلسلے میں ایک باب باندھتے ہیں:

﴿باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئل مما لم ینزل علیہ الوحی فیقول لا ادری او لم یجیب حتی ینزل علیہ الوحی ......الخ﴾ (بخاری ج:۲‘صفحہ ۱۰۸۷)

غرض قرآن مجید کے لیے حدیث تبیان و بیان ہے۔حضرت عمران بن حصین سے کسی نے دریافت فرمایا کہ آپ ایسی حدیثیں بیان فرماتے ہیں جن کی اصل ہم قرآن مجید میں نہیں پاتے۔یہ سن کر حضرت عمران ان سے فرمانے لگے کیا تم قرآن مجید میں یہ پاتے ہو کہ زکوۃ کے نصاب میں دوسو درہم ہیں کہ ہر چالیس درہم پر ایک درہم دینار فرض ہے۔اس طرح ہر ۴۰ بکریوں میں ایک بکری دینا فرض ہے۔کیا یہ تفصیل تم قرآن میں پاتے ہو......؟

اس شخص نے کہا اس طرح کی تفصیل ہم قرآن مجید میں نہیں پاتے۔حضرت عمران نے فرمایا تم نے ہم سے سیکھا ہے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہے۔اس سے معلوم ہوا قرآن مجید میں بعض جگہ اجمالی احکام ہیں‘ جن کی وضاحت احادیث رسول سے ہوتی ہے۔اگر حدیث نہ ہوتی تو قرآن پر عمل کرنا دشوار تھا۔کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

حدیث وہ ہے جسے قول مصطفیٰ کہیے
حدیث وہ ہے جسے قول مجتبیٰ کہیے
حدیث اصل میں قرآن ہی کی ہے تفسیر
تو پھر حدیث کو قرآن سے کیوں جدا کہیے

اور دوسری طرف منکرین حدیث جو یہود و نصاریٰ کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔حدیث کی حجت نہیں مانتے۔اس فتنہ کی آڑ میں یہ لوگ اسلام کے نور کو بجھا دینا چاہتے ہیں۔

غیر مسلموں نے جب دیکھا ہم مسلمانوں سے مسلح جنگ نہیں جیت سکتے‘ اس لیے ان کے خلاف نظریاتی جنگ لڑی جائے۔اس محاذ پر بڑے پیمانہ پر کام کیا۔مسلمانوں کی تاریخ کو مجروح کیا‘ علماء محدثین‘ قاضی‘ فقہا پر ایسی الزام تراشیاں کیں کہ لوگ ان سے متنفر ہوں۔اس کے ساتھ اس کام میں مستشرقین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مسلمانوں نے مستشرقین کا پھیلایا ہوا جال تحقیقات علمیہ سمجھ کر حاصل کر لیا اور انگریزوں کی تہذیب اپنا لی۔پھر انہیں لوگوں نے اپنے راستہ میں حدیث کو رکاوٹ سمجھا‘ جس حدیث کو مخالفت سمجھا‘ اس میں خرابی شروع کر دی۔ان کے علاوہ اہل الرائے مقلدین اہل قیاس نے سنت کے مقابلہ میں تساہل برتا اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر احادیث احاد عقل اور مشہورات کے خلاف ہو‘ تب ان کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

حقیقت میں ان کی آزاد طبیعتوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات بارگراں اور قید و بند نظر آتی ہیں۔اس سے بچنے کے لیے وہ قرآن کو اپنی مرضی کے معنوں میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عقائد اسلام اور بنیادی احکام بیان فرما کر ان کی تفصیل اور عمل کا طریقہ بتانے کی ذمہ داری اپنے رسول پر ڈالی ہے۔فرمایا:

﴿وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم﴾ (النحل:۴۴)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ کا کام بس الفاظ قرآن سنا دینا ہی نہ تھا‘ بلکہ قرآن کا سمجھانا بھی آپ کے ذمہ تھا۔اس فرض کو پورا کرنے کے لیے آپ نے آیات کی جو زبانی وضاحت فرمائی‘ وہ حدیث اور اس پر عمل کی جو صورت بتائی‘ وہ سنت ہے اور ان کی بنیاد وحی الٰہی ہے۔ان پر ایمان لانا قرآن ہی کی طرح فرض ہے۔

جو لوگ حدیث میں آزاد ہو گئے‘ ان میں سر سید احمد خان ان سے پھر جو لوگ متاثر ہوئے ان میں امین احسن اصلاحی جاوید غامدی‘ ڈاکٹر اسرار احمد ان کے خلاف علماء اہل حدیث نے کام کیا‘ پھر اسلم میراج پوری اور عبداللہ چکڑالوی کا فتنہ اٹھا۔ان کے خلاف صف اول میں علماء اہلحدیث نے حجیت حدیث پر کام کیا۔جن میں مولانا ثناء اللہ امرتسری‘ حافظ محمد گوندلوی‘ حافظ محمد اسماعیل سلفی کے نام قابل ذکر ہیں۔آخر میں پرویز ان کا لیڈر بن گیا اور جتنا کام انکارِ حدیث پر ہوا تھا‘ اس نے سب کو ایک جگہ جمع کر دیا۔اس نے بہت سی کتابیں شائع کیں‘ اس کے خلاف بھی اہل حدیث علماء نے خدمت سرانجام دی۔جن میں مولانا عبدالغفار حسن کی کتاب عظمت اہل حدیث قابل مطالعہ ہے۔ان کے علاوہ مولانا مسعود احمد کی کتاب تفہیم اسلام جو دو اسلام کے جواب میں لکھی گئی‘ بے نظیر ہے۔مذکورہ بالا تحریر سے آپ بخوبی سمجھ چکے ہوں گے کہ حدیث کو چھوڑ کر صرف قرآن کو لینے سے انسان کسی کنارے نہیں لگ سکتا۔

اب میں آپ کے سامنے منکرین حدیث کے چند اعتراضات پیش کرتا ہوں‘ جو وہ اپنے حق میں پیش کرتے ہیں اور ان کا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کرتا ہوں تا کہ کوئی ان کے اس جال میں نہ پھنس سکے۔

اعتراض نمبر 1:- سب سے پہلے وہ قرآن مجید کی اس آیت کو لاتے ہیں ﴿ونزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شیء﴾ (النحل)

جواب: اس ایت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے آپ پر کتاب نازل کی۔تبیانا کا معنی ہر چیز کی وضاحت ہونی چاہیے۔جبکہ نماز کا حکم قرآن مجید میں ۷۲ دفعہ موجود ہے۔لیکن اس کی تفصیل قرآن مجید میں موجود نہیں ہے اور جیسے قرآن مجید میں ہے ﴿ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام﴾ (البقرۃ:۱۵۰)

اس آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ صرف نماز میں مسجد حرام کی طرف منہ کرنا ہے بلکہ ہر وقت اس کی طرف منہ کر کے کھڑے رہو۔اس لیے ہم صرف قرآن کو دیکھنے سے کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

اعتراض نمبر2:- ﴿ما فرطنا فی الکتب من شیء﴾ (الانعام:۳۸)

یہاں فرطنا سے مراد لوح محفوظ ہے۔جس میں اللہ نے ہر چیز لکھی ہوئی ہے اور اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔اگر اس سے قرآن مجید مراد ہو تو اس کے لیے ہمیں حدیث کی ضرورت ہے۔جیسا کہ اوپر آیات ﴿تبیانا لکل شیء﴾ میں وضاحت کر دی گئی ہے۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرتے ہیں۔جب آپ نے حالت بیماری میں فرمایا میں تمہیں لکھ دوں تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔کچھ صحابہ نے کہا لکھوا لو۔کچھ کہنے لگے بیماری کا غلبہ ہے نہ لکھواؤ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ﴿حسبنا بکتاب اللہ﴾ (بخاری' ج:۲' صفحہ ۶۳۸)

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بتاتا ہے کہ وہ حدیث کو مانتے تھے اور آپ کا فرمان بھی ہے "جب یہ لوگ تم سے الجھیں تو حدیث پیش کرو۔یہ منحرف لوگوں کا راستہ روک دیتی ہے۔" حضرت عمر جانتے تھے آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔آپ کے آرام کے پیش نظر لکھوانے سے منع کیا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہی لکھوانا چاہتے تھے' جن کی اکثر خواہش کیا کرتے تھے۔

میرے بعد خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہونگے۔دوسری بات یہ ہے اگر یہ بات ضروری ہوتی تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مزاحمت کی وجہ سے چھوڑ دیتے۔اس واقعہ کے بعد آپ ہفتہ تک زندہ رہے۔گھر میں بنی ہاشم کے لوگ موجود تھے۔آخری دن طبیعت اتنی سنبھلی' لوگ کہنے لگے آپ ٹھیک ہو گئے ہیں۔آپ لکھوا سکتے تھے۔

اعتراض نمبر3:- حدیث لکھی کیوں نہیں گئی......؟

جواب: ان کا یہ اعتراض تو منکرین قرآن کی طرح ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے کہ جبرائیل آپ ہی کے پاس قرآن کیوں لے کر آتا ہے......؟ لکھا ہوا کیوں نہیں آتا......؟

تو اللہ رب العزت نے جواب دیا "اگر ہم کاغذ میں لکھی ہوئی چیز نازل کرتے تو یہ اپنے ہاتھوں سے ٹٹول لینے کے باوجود منکر رہتے۔"

یہی حال منکرین حدیث کا ہونا تھا۔اصل وجہ' ماننا نہیں چاہتے۔حالانکہ لکھی ہوئی حدیث عربی زبان اور ان کے معانی حجت ہیں یا نہیں۔عربی الفاظ کو جانے بغیر قرآن کو نہیں سمجھ سکتے۔عربی زبان کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے قواعد ضروری ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قواعد لکھوائے۔حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عربیوں' عجمیوں کے نبی تھے۔

مطلق طور پر کہنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث نہیں لکھوائی تھی' غلط ہے۔خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھوائی' غیر مسلموں کی طرف لکھے گئے خطوط حدیث تو ہیں۔میثاق مدینہ' صلح حدیبیہ اور اوس وخزرج کے ساتھ لکھے گئے معاہدے موجود ہیں۔

عمر بن حزم روایت کرتے ہیں میرے دادا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا اور فرمان لکھ کر دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو کو لکھنے کی اجازت دی۔ابوشاہ کے لیے خطبہ حجۃ الوداع لکھنے کا حکم دیا۔

شروع شروع میں لکھنے سے اس لیے منع فرمایا کہ کہیں قرآن و حدیث خلط ملط نہ ہو جائیں۔جب یہ اندیشہ جاتا رہا تو لکھنے کی اجازت مل گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کو لکھ کر مضبوط کرو۔اس حدیث کی تصحیح شیخ البانی نے سلسلہ الصحیحۃ میں کی ہے۔

اس کے علاوہ آپ کے دور کی تحریر آپ کے خطوط' جن کو لوگوں نے جمع کیا' وہ ملتے ہیں تو اس طرح موجود ہیں' جس طرح بخاری میں آپ کا خط نقل ہے۔اس کی مثال پرویز کو لکھا گیا خط ہے۔اگر ان کا یہ اعتراض ہے کہ حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نہیں لکھا گیا تو آدمی ان سے پوچھے کیا قرآن مجید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں لکھا گیا۔اس کا کوئی ثبوت نہیں دیتے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے اگر منکرین حدیث کو کوئی مسئلہ درپیش ہو تو حدیث کو تاریخ کہہ کر مان لیتے ہیں۔افسوس ہے تاریخ کو تو مان لیا' لیکن حدیث کو نہ مانا۔حالانکہ جتنی محنت اسماء الرجال پر ہوئی ہے' اس کے مقابلے میں تاریخ پر نہیں ہوئی۔

اعتراض نمبر4:- احادیث کا بہت سارا حصہ معنوی طور پر روایت کیا گیا ہے۔جس کی وجہ سے اختلاف ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا پتہ نہیں چلتا۔

جواب: منکرین حدیث کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ قرآن مجید میں بھی روایت بالمعنی نقل کی گئی ہے۔

جیسا کہ سورۃ طٰہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کو نقل فرمایا:

﴿انی انست نارا لعلی اتیکم منها بقبس او اجد علی النار هدی﴾

اس کے بعد سورۃ النحل میں دیکھیں' اللہ نے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے:

﴿انی انست نارا سئاتیکم منها بخبر او اتیکم بشهاب قبس لعلکم تصطلون﴾

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو ایک ہی بات کہی' لیکن اللہ تعالیٰ تین طریقوں سے بیان فرما رہے ہیں۔

اعتراض نمبر5:- حدیث میں تضاد ہے جس کی وجہ سے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

جواب: تضاد حقیقت میں واقع نہیں ہوتا۔نظر آنے والے کو معلوم ہوتا ہے۔ان کو جمع کیا جا سکتا ہے۔بظاہر تعارض قرآن میں بھی موجود ہے۔یہ منکرین حدیث کو

سمجھانے کے لیے ورنہ حقیقت میں تعارض نہیں ہے۔

سورۃ اعراف میں فرمایا:

﴿فاخذتهم الرجفة فاصبحوا في دارهم جثمين﴾

دوسری جگہ سورۃ ھود دیکھیں فرمایا:

﴿ظلموا الصيحة واخذت الذين ظلموا الصيحة﴾

اب دیکھیں ایک جگہ الرجفہ دوسری جگہ الصیحۃ فرمایا ہے۔اس طرح ایک جگہ فرمایا ﴿ھدی للمتقین﴾ دوسری جگہ فرمایا ﴿ھدی للناس﴾ اور ایک جگہ فرمایا ﴿ولنسئلن المرسلین﴾ دوسری جگہ فرمایا ﴿لا یسئل عن ذنبه انس ولا جان﴾

یہ سب بظاہر تعارض ہے۔حقیقت میں کوئی تعارض نہیں۔اس لیے امام ابن خزیمہ اعلان فرمایا کرتے تھے' جو کسی حدیث میں تعارض سمجھتا ہے' وہ میرے پاس لائے۔ میں اس کو بتلاؤں گا تعارض کیسے ختم کیا جاتا ہے۔

اعتراض نمبر6:- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہوا جلا دیا تھا۔یہ روایات ﴿متکلم فیه مردود﴾ من گھڑت ہیں۔اس روایت کو تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی نے نقل کیا ہے اور ساتھ ہی یہ لکھا ہے ﴿لم یثبت﴾ کہ ثابت نہیں ہے جبکہ منکرین نے لم یثبت کے الفاظ کو نقل نہیں کیا۔

اعتراض نمبر7:- نعوذ باللہ حدیث میں فحاشی و عریانی ہے۔

جواب: آپ دیکھیں جب زنا کا کیس کسی عدالت میں جاتا ہے تو کس طرح تحقیق ہوتی ہے۔سب جانتے ہیں یہ عدل کا تقاضا ہے' کوئی کہے فلاں سوال کیوں پوچھا ......؟ تو عدل نہیں ہوسکتا۔اس لیے جو انسان کی ضروریات ہیں' پیشاب' پاخانہ' جنسی خواہشات کا پورا کرنا' اس کا طریقہ اور آداب شریعت نے سکھلائے ہیں۔

آپ دیکھیں اگر حدیث میں آداب مباشرت وغیرہ نہ بتائے جاتے تو آج کیا حال ہوتا......؟ جہاں تک یہ علم نہیں پہنچا' وہاں لوگوں نے جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ایسے طریقے قائم کر رکھے ہیں' آدمی نہ سن سکتا ہے' نہ بیان کرسکتا ہے۔

منکرین حدیث کے یہ اعتراضات وزنی ہیں' جن کا مدلل جواب دے دیا گیا ہے۔منکرین حدیث اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے۔اس کو روکنا ہمارا فرض ہے اور اس کے لیے' ہمیں مسلک بالحدیث کرنا چاہیے۔یعنی ہم شدت سے حدیث پر عمل کرنے والے ہوں۔کائنات کی کوئی طاقت ہمارے اس راستہ میں رکاوٹ نہ بنے' تو منکرین حدیث کا جواب دے سکتے ہیں۔

مولانا امام ابوبکر بن داؤد سجستانی نے اعتصام بالحدیث کے بارہ میں کیا خوب فرمایا ہے:

﴿تمسک بحبل الله واتبع الهدى. ولا تک بدعیا لعلک تفلح وعذ بکتاب الله والسنن التی اتت عن رسول الله بتنجو وتربح ودع عنک اراء الرجال وقولهم فقول رسول الله ازکی واشرح ولا تک فی قوم تلهو بدینهم فتطعن فی اهل الحدیث وتقدح﴾

''اے انسان اللہ کی رسی قرآن کو مضبوطی سے پکڑ اور تابعدار ہوجا۔ہدایت یعنی حدیث کا اور تو بدعتی مت ہو تاکہ فلاح پائے اور اپنے حریف کے مقابلہ میں کتاب اللہ اور حدیثوں کی پناہ لے جو اللہ کے رسول کی طرف سے آئی ہیں۔یقیناً تو نجات اور نفع پائے گا اور چھوڑ دے لوگوں کی رائے قیاس اور ان کے اقوال کو اس لیے کہ رسول اللہ کی حدیث نہایت ہی پاکیزہ اور سینہ کھولنے والی ہے اور مت ہو تو ان لوگوں سے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ورنہ تو بھی اہل حدیث پر طعن و تشنیع اور جرح و قدح کرنے لگے۔

بقیہ: اسلام اور مستشرقین کے اعتراضات

گواہ اور شاہد تھے۔نیز وہ احکامات موجود تھے' جو صحیح معنی میں وحی الٰہی کی حیثیت رکھتے اور دین موسوی کی اساس و بنیاد رہے۔اس لیے آپ کا خیال تھا کہ مشرکین کے مقابلہ میں یہود جلد ہی دین حنیف یعنی اسلام قبول کرلیں گے۔لیکن انہوں نے انکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے برتاؤ بھی مشرکین کا سا ہوگیا۔یعنی ﴿الکفر ملة واحدة﴾

حرف آخر

دین اسلام کے استیصال اس کے اصول و مبادی کے انہدام اور تحریف شدہ مسیحیت کو دنیا میں اجاگر کرنے کے لیے مستشرقین نے جس طرح کام کیا ہے' اگر ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہمارے مفکر و مدبر' محقق و محدث اور علمائے کرام عمیق النظر ہوکر فراغ دلی اور خلوص نیت کے ساتھ اسلامی تعلیمات سے استفادہ کریں' عام لوگوں کے لیے مشعل راہ بنیں' تو یقیناً ان کا اسلام اور انسانیت کے لیے مستقبل میں عظیم الشان بااثر کارنامہ ہوگا۔

کیونکہ بقاء و حیات کے اس معرکے میں اسلام کی بقاء ایک ٹیلے کی طرح ہے۔جس کی چوٹیوں پر ریت کے تودوں اور بگولوں کا پڑاؤ رہتا ہے۔اس لیے کہ اسلام اور استشراق کا یہ معرکہ حق و باطل نرم خوی اور کینہ پروری' شرم و حیاء اور بے شرمی و بے حیائی عظمت نسواں اور آزادی نسواں' فنی لٹریچر اور ہیجان انگیز تشکیکی لٹریچر نور اور ظلمت کا معرکہ ہے۔

خیر و شر کے اس معرکہ میں خدا کی اٹل سنت کے مطابق اگر آج ہم حق کی کاری ضرب کے ذریعے باطل کو نیست و نابود کرسکتے ہیں' تو پھر ہمیں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے نقش قدم پر چل کر اپنا منہج دعوت و جہاد کو بنا ہوگا۔تو پھر اللہ ہمارا حامی و ناصر ہوگا۔ان شاء اللہ۔